جمیلہ شوکت

# علامہ اقبال اور حبِّ رسولؐ

ہر دور میں شعرا نے بھی اسلام کے فضائل و خصائص اور شارعِ اسلامؐ کے اوصاف و محامد بیان کرنے کی طرف توجہ مبذول کی اور حقِ محبت ادا کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی حقانیتِ اسلام، نبی کریمؐ کی توصیف اور آپ کے عالمگیر ابدی پیغام اور اس کے جانفزا اثرات پر قلم اٹھایا اور اپنی ذہنی و فکری قوتوں کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف کر دیا۔ حضرت علامہ کے کلام بالخصوص فارسی کلام پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ذاتِ رسالتِ مآبؐ سے عشق کی جو چاشنی، جذبات کی حدت اور فراوانی ان کے یہاں ملتی ہے دوسروں کے ہاں کم ملے گی۔ حضرت علامہ کے کلام میں گہرائی بھی ہے اور اثر آفرینی بھی۔ ان کے اشعار کا ہر لفظ قاری کے دل میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔

برصغیر میں احیائے دین کے لیے صالحینِ امت اور علما کی کوششیں مسلّم، لیکن فرنگی تہذیب کی چمک دمک سے مسلمان اتنے مرعوب ہوئے کہ اپنی پستی اور زوال کا سبب مذہب سے وابستگی کو گرداننے لگے۔ بالخصوص نوجوان طبقے کے دلوں میں علمائے دین کی طرف سے انقباض پیدا ہو گیا جس کی ذمہ داری علما پر سو پڑتی۔ علامہ نے ان حالات کا بنظرِ غائر جائزہ لیا اور انھوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اور قوئ احیاءِ اسلام کے لیے وقف کر دیے اور اس کے لیے شاعری کو ذریعہ بنایا۔

حضرت علامہ کی شخصیت کے متعدد پہلو ہیں جن میں نمایاں پہلو عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لیکن وہ اس عشق و محبت میں بڑے محتاط اور مؤدب تھے کہ:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں[1]

ذاتِ رسولؐ سے جنون کی حد تک شیفتگی و عشق کے محرکات میں اولین محرک والدین کی تربیت تھی۔ علامہ کے والدین دین دار، خدا ترس اور نہایت متقی تھے۔ انھوں نے اپنے فرزند کی تربیت بھی اسلامی خطوط

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۱۰۵

پر کی۔ حضرت علامہ متعدد مقامات پر والدین کے اس احسان کا اعتراف کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

پھر آ رکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں    کیا جنھوں نے محبت کا رازداں مجھ کو[۲]

والدہ محترمہ کی دین داری اور خدا خوفی کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات    تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات[۳]

اسی طرح وہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ عشقِ رسول کی چنگاری میرے والد نے میرے سینہ میں روشن کی جو رفتہ رفتہ شعلۂ جوالہ بن گئی:

از پدر تا نام تو آموختم    آتشِ ایں آرزو افروختم[۴]

ایک جگہ فرماتے ہیں:

مرا داد ایں خرد پرور جنونے    نگاہ مادر پاک اندرونے[۵]

اور پھر علامہ کے نزدیک نبی کریمؐ کی ذات دنیا کی تمام چیزوں حتّٰی کہ والدین سے بھی زیادہ محبوب بن گئی:

تا مرا افتاد بر رویت نظر    از اب و ام گشتہ محبوب تر[۶]

عشقِ رسولؐ کا دوسرا اہم محرک مغربی علوم کی تحصیل اور سفرِ یورپ ہے۔ علامہ نے جب عصری علوم کا مطالعہ کیا تو اسلام کے مقابلے میں دیگر ادیان اور فلسفے ہیچ نظر آئے اور نبی کریمؐ کی انقلابی شخصیت کے سامنے بڑے بڑے انقلابی اور فلاسفہ نہ ٹھہر سکے۔ علامہؒ فلسفہ اور عصری علوم کو دردِ سر قرار دیتے ہیں اور ببانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ انھیں ان علوم سے کچھ نہ ملا۔ دین و دنیا کی فلاح و کامرانی والدین کی صحبت اور مرشدانِ کامل کی معیت ہی میں حاصل ہوئی۔

مرا درسِ حکیماں دردِ سر داد    کہ من پروردۂ فیضِ نگاہم[۷]

اسی حقیقت کو ایک اور جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

مے از میخانۂ مغرب چشیدم    بجانِ من کہ دردِ سر خریدم
نشستم با نکویانِ فرنگی    ازاں بے سود تر روزے ندیدم[۸]

---

[۲] کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۹۷    [۳] ایضاً، ص ۲۲۹    [۴] کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص ۱۶۸

[۵] ایضاً، ص ۹۰۵    [۶] ایضاً، ص ۱۶۶    [۷] ایضاً، ص ۹۲۹    [۸] ایضاً

اپنی ہمشیرہ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: خدا نے مجھے قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے اگر یہ قویٰ دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج میں خدا کے رسول ؐ کی خدمت کے قابل ہو سکتا۔ دل چاہتا ہے کہ جو ہوا اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے تھا اور زندگی تمام و کمال نبی ؐ پاک کی خدمت میں بسر ہوتی۔[9] جب آپ تحصیلِ علم کے لیے یورپ گئے تو وہاں کی مادی زندگی تصورِ رسالت کو گزند نہ پہنچا سکی۔ وہاں رہ کر بھی جزئیات و فروعات میں آئینِ مصطفیٰ کو اپنایا اور اس بھٹی سے کندن ہو کر نکلے۔ خود فرماتے ہیں: "یورپ کی آب و ہوا نے مجھے مسلمان کر دیا"۔[10]

عشقِ رسول ؐ کے ضمن میں علامہ کے تاثرات رسمی و روایتی انداز سے بالا ہیں۔ علامہ کی زندگی کے واقعات ذاتِ رسالتمآب سے محبت و وابستگی کا بیّن ثبوت ہیں۔[11] حضرت علامہ کو ہر وہ چیز عزیز اور محبوب ہے جو کسی نہ کسی طور آپ ؐ سے نسبت رکھتی ہے خواہ وہ سرزمینِ حجاز کے مقدس ذرے ہوں:

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است — اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است[12]

سیرتِ مطہرہ کے پیروکار خواجہ حسن نظامی کو ایک خط میں لکھتے ہیں: جن لوگوں کے عقائد و عمل کا مآخذ کتاب و سنت ہے اقبال ان کے قدموں پر ٹوپی کیا سر رکھنے کو تیار ہے اور ان کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت و آبرو پر ترجیح دیتا ہے۔[13] نبی کریم ؐ پر ہر وقت درود بھیجنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ان کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظاہری علاج کے علاوہ باطنی علاج درود شریف کو سمجھتے تھے۔[14]

اللہ تعالیٰ کے فرمان لِمَ تقولون ما لا تفعلون کے مطابق جب اس مردِ درویش نے اپنے آپ کو سنتِ رسول ؐ کا پیروکار اور عاشق بنا لیا تو اس نعمت سے دنیا کو بھی مالامال کرنے کا عزم کیا۔ ان کی بصیرت اور بصارت نے اس حقیقت کو پا لیا کہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں بالخصوص برِصغیر کے مسلمانوں کی نکبت و ذلت، رسوائی، افتراق اور تشتت کا بڑا سبب اسلام اور شارعِ اسلام کی تعلیمات سے دوری اور مغربی

---

[9] فقیر وحید الدین، روزگارِ فقیر — ۱۹۶۵ء، ج ۲، ص ۱۸۸-۱۸۹

[10] بشیر احمد ڈار، انوارِ اقبال — ص ۱۷۶

[11] عبدالواحد معینی، مقالاتِ اقبال — ص ۴۷-۷۵، ۷۲، ۴۴

[12] کلیاتِ اقبال، ص ۲۱ [13] انوارِ اقبال، ص ۱۸۶ [14] عطاء اللہ، اقبال — ص ۲۴۸

تہذیب کی اندھی تقلید ہے۔ فرنگی اقوام نے مسلمانوں میں زوال و انحطاط کے آثار دیکھ کر ان کو ان کے دین و مذہب سے برگشتہ و بیگانہ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا تاکہ "خیر امت" کی وحدت کا شیرازہ پریشان ہو جائے۔ کیونکہ مسلمانوں کی قوت اور اتحاد کا سرچشمہ دین سے وابستگی ہی ہے جیسا کہ علامہ فرماتے ہیں:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں   جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں[۱۵]

حضرتِ علامہ جو اپنے سینہ میں ایک دردمند دل رکھتے تھے قوم کی حالتِ زار کی طرف متوجہ ہوئے، اپنی تمام تر مساعی مسلمانوں کو دینِ مبین اور صراطِ مستقیم کی طرف بلانے میں صرف کر دیں۔ وہ اس نکتہ سے آگاہ تھے کہ دینِ اسلام پر عمل پیرا ہونے کا انحصار اس امر پر ہے کہ شارعِ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے کہ حُبِ رسولؐ اور اتباعِ سنت کے بدون اللہ سے محبت کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔ علامہ نے امتِ مسلمہ کو مختلف انداز اور طریقوں سے اتباعِ سنت کی دعوت دی۔ وہ شدت سے اس بات کے خواہش مند تھے کہ قوم کو "صبغۃ اللہ" میں رنگ دیں اور ملتِ اسلامیہ عشقِ رسولؐ کی آگ میں پھر تپنے لگے۔

حرفِ شوق آموختم و اسوختم   آتش افسردہ باز افروختم[۱۶]

وہ کبھی نبی کریم کی صفاتِ حسنہ، اخلاقِ عالیہ اور تعلیماتِ قدسی کو موضوعِ بحث بناتے ہیں جنھوں نے انسانیت کو تاریکیوں سے نکال کر علم و عرفان کی روشنی میں لا کھڑا کیا اور ایک اجڈ جاہل قوم کو حکمرانی کا گر سکھایا۔ کبھی وہ دربارِ رسالت مآب میں زوال پذیر ملی و قومی حالت کا ذکر فرما کر نگاہِ التفات کے ملتجی نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں عشقِ رسولؐ کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر موجزن ہے۔ وہ ہر اس چیز سے والہانہ محبت رکھتے ہیں جس کی نسبت خاتم الانبیا سے ہو اسی نسبت سے وہ صحابۂ کرامؓ، اولیا و صالحین و علما کی تقلید کا درس دیتے ہیں کیونکہ یہ سب دنیاوی اغراض سے پاک و صاف تھے:

مضمحل گردد چو تقویمِ حیات   ملت از تقلید می گیرد ثبات
عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست   کارِ پاکاں از غرض آلودہ نیست[۱۷]

امتِ مسلمہ کے ساتھ قلبی لگاؤ کا محرک بھی یہی ہے کہ یہ نبی کریم کی محبوب امت ہے:

زانکہ تو محبوبِ یارِ ماستی   ہمچو دل اندر کنارِ ماستی[۱۸]

---

۱۵؎ کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۲۰۱   ۱۶؎ ایضاً، ص ۸۸۲   ۱۷؎ ایضاً ۱۲۴، ۱۲۵   ۱۸؎ ایضاً، ص ۱۸۲

بعثت رسولؐ سے پہلے وہ دنیا کی حالت بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ساری دنیا شرک، اوہام پرستی، ستارہ پرستی، قومی، نسلی اور لسانی تعصب میں گرفتار تھی۔ رحمۃ للعالمین نے تشریف لاکر تصویرِ کائنات میں رنگ بھر دیا:

اے ظہور تو شباب زندگی — جلوہ ات تعبیر خواب زندگی
اے زمیں از بارگاہت ارجمند — آسمان از بوسۂ بامت بلند[19]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ — ذرۂ ریگ کو کیا تو نے طلوع آفتاب[20]
ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو — بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے — نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے[21]

آنحضرتؐ کی صفاتِ عالیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا کو اعلیٰ ترین آئین آپؐ ہی نے عطا فرمایا اور زندگی کی شمع آپ ہی نے روشن فرمائی:

درجہاں آئینِ نو آغاز کرد — مسند اقوامِ پیشیں در نورد
از کلیدِ دین درِ دنیا کشاد — ہمچو او بطنِ امِ گیتی نزاد[22]
در جہاں شمع حیات افروختی — بندگاں را خواجگی آموختی[23]

پھر فرماتے ہیں کہ آپؐ کی ذات نہ صرف دوستوں بلکہ دشمنوں کے لیے بھی سراپا رحمت و شفقت تھی:

لطف و قہر او سراپا رحمتے — آں بیاراں ایں باعدا رحمتے

نبی کریمؐ کے دیگر احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس عالم کو نئی زندگی آپؐ ہی کے دم سے نصیب ہوئی۔ مسلمانوں کو توحید کی نعمت سے سرفراز فرماکر غیر اللہ کی پرستش سے آزاد کر دیا۔ علم و عرفان اور حکمت کی شمع آپؐ ہی نے روشن کی۔ آپؐ ہی نے مسلمانوں کو متحد اور ایک مرکز پر جمع کیا:

---

۱۹ھ کلیاتِ اقبال، ص ۱۶۶ — ۲۰ھ ایضاً، ص ۲۰۵
۲۱ھ ایضاً، ص ۲۰۷ — ۲۲ھ ایضاً، ص ۱۹ — ۲۳ھ ایضاً، ص ۱۶۶

سوختی لات و منات کہنہ را — تازہ کردی کائناتِ کہنہ را
نے خدا ہا سوختیم از گاؤ خر — نے حضور کاہناں افگندہ سر [24]
علم و حکمت ریزۂ از خوان کیست؟ — آیۂ فاصبحتم اندر شان کیست [25]

حریت و مساوات کا درس بھی آپؐ ہی نے مسلمانوں کو دیا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ وہ ہستی بے پایاں حمد و سپاس کے لائق ہے جس نے توحید اور دولتِ ایمان سے بنی آدم کو مالا مال کیا:

حمد بے حد مر رسولِ پاکؐ را — آں کہ ایماں داد مشتِ خاک را [26]

حضرت علامہؒ اسی احسان کی وجہ سے ذات رسالت مآب سے زیادہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں:

قوت قلب و جگر گردد نبیؐ — از خدا محبوب تر گردد نبیؐ [27]
بچشم من نگہ آوردۂ تست — فروغ لا الہ آوردۂ تست [28]

اپنی اس والہانہ محبت کا اظہار ایک موقعہ پر یوں فرماتے ہیں کہ میں پہلے مکہ مکرمہ آپؐ کے حکم کی تعمیل میں آیا ہوں ورنہ میری منزلِ مقصود آپ کا شہر تھا:

تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم — وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست [29]

علامہ خدا کی بارگاہ میں کسی قدر شوخ لیکن دربارِ رسالت مآب میں بڑے مؤدب نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک آپؐ ہی کی ذات ہے جس سے حال دل بلاواسطہ عرض کیا جا سکتا ہے:

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار — یا رسول اللہ! او پنہاں و تو پیدائے من [30]

پھر فرماتے ہیں کہ آپؐ کی محبت ہی میری دین و دنیا کی سرفرازی کے لیے کافی ہے یہی میری ابتدا اور یہی میری انتہا ہے:

بکوئے تو گدا زیک نوا بس — مرا دیں ابتدا، ایں انتہا بس
خراب جرأتِ آں رند پاکم — خدا را گفت ما را مصطفیٰ بس [31]

---

۲۴ھ ایضاً، ص ۸۸۴ — ۲۵ھ ایضاً، ص ۸۳۵ — ۲۶ھ ایضاً، ص ۸۳۶

۲۷ھ ایضاً، ص ۱۰۱ — ۲۸ھ ایضاً، ص ۹۳۴ — ۲۹ھ ایضاً، ۹۲۸

۳۰ھ ایضاً، ص ۳۵۳ — ۳۱ھ ایضاً، ص ۹۴۱

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر    وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ [۳۲]

حضرت علامہ کے خیال میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی فوز و فلاح کا مدار عشقِ رسولؐ پر ہے۔ ملت کا وجود رسول اکرم کے دم ہی سے وابستہ ہے:

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید    وز رسالت در تن ما جاں دمید [۳۳]

نیز رسالت ہمارے وجود کی حفاظت کے لیے حصار کا کام دیتی ہے:

از رسالت حلقہ گرد ما کشید [۳۴]

اور اگر یہ کہا جائے کہ ملتِ اسلامیہ کے وجود کے لیے سنت کی حیثیت شہ رگ کی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

قلب مومن را کتابش قوت است    حکمتش حبل الورید ملت است [۳۵]

وہ مسلمانوں کو تلقین فرماتے ہیں کہ تمہاری وحدت کا راز دینِ فطرت کی پیروی پر منحصر ہے جس کی طرف نبی کریمؐ نے راہنمائی فرمائی ہے:

زندہ ہر کثرت ز بند وحدت است    وحدت مسلم ز دین فطرت است
دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم    در رہِ حق مشعلے افروختیم
از رسالت ہم نوا گشتیم ما    ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما [۳۶]

وہ ان مسلمانوں کو جنھوں نے فرنگی اطوار و عادات کی تقلید کو اپنا مقصود بنالیا تھا مختلف انداز سے آمادۂ عمل کرتے ہیں تاکہ وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح عظمت و رفعت حاصل کرسکیں:

مثلِ بو قید ہے غنچے میں، پریشاں ہو جا    رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ، تو ذرے سے بیاباں ہو جا    نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے    دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے [۳۷]

وہ دربارِ رسالت مآب میں امت کی زبوں حالی کا قصہ سناتے ہیں کہ آج کا مسلمان حقیقی معبود کو چھوڑ کر کسی نہ کسی بت کی پرستش میں مصروف ہے جس کے نتیجے پیروانِ بولہب کی بن آئی ہے:

---

۳۲؎ کلیاتِ اقبال، ص ۳۱۷    ۳۳؎ ایضاً، ص ۱۰۱    ۳۴؎ ایضاً
۳۵؎ ایضاً    ۳۶؎ ایضاً، ص ۱۰۲    ۳۷؎ ایضاً، ص ۲۰۷

سازِ ما بے صوت گردید آنچناں — زخمہ بر رگہائے اُو آید گراں
در عجم گردیدم و ہم در عرب — مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب[38]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

مسلم از سرِ نبیؐ بیگانہ شد — باز ایں بیت الحرم بت خانہ شد[39]
عصرِ ما ما را زما بیگانہ کرد — از جمالِ مصطفیٰ بیگانہ کرد[40]

میں اس مردہ دل مسلمان کی حیاتِ نو کے لیے آپؐ کی طرف رجوع ہوا ہوں کہ اس کے درد کا مداوا آپؐ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔

نقشِ از پیشِ طبیباں بردہ ام — در حضورِ مصطفیٰؐ آوردہ ام[41]

آج کا مسلمان کافر کی طرح موت سے خوف زدہ ہے کہ اس کا سینہ دل سے عاری ہو چکا ہے۔
آپؐ سے استدعا ہے کہ اُمت کے حال پر نگاہِ التفات فرمایئے اور اُن کے دل سے موت کا خوف نکال دیجیے:

ہمچو کافر از اجل ترسندۂ — سینہ اش فارغ ز قلبِ زندۂ[42]
مسلمانے کہ مرگ از وے بلرزد — جہاں گردیدم و او را ندیدم[43]
دلے در سینۂ چاکش ندیدم — دمِ بگستۂ بود و غمِ مرگ[44]
اے تو ما بیچارگاں را ساز و برگ — وارہاں ایں قوم را از ترسِ مرگ[45]
مسلماں آں فقیرِ کج کلاہے — رمید از سینۂ او سوزِ آہے
دلش نالد! چرا نالد؟ نداند — نگاہے یا رسول اللہ نگاہے[46]

پھر فرماتے ہیں کہ اگر آپؐ توجہ نہیں فرمائیں گے تو مجھے خدشہ ہے کہ ملی ہستی کا خاتمہ ہو جائے گا:

ہوا تیز و بدامانش دو صد چاک — بیندیشش از چراغِ بسملِ او[47]

کبھی بلاواسطہ قوم کو آنحضورؐ کی طرف رجوع کرنے کا درس دیتے ہیں:

---

۳۸ ایضاً، ص ۸۴۴، ۸۴۵ — ۳۹ ایضاً، ص ۱۶۷ — ۴۰ ایضاً، ص ۸۲۰
۴۱ ایضاً، ص ۱۶۷ — ۴۲ ایضاً، ص ۱۶۷ — ۴۳ ایضاً، ۹۲۳
۴۴ ایضاً، ص ۹۱۷ — ۴۵ ایضاً، ص ۸۴۴ — ۴۶ ایضاً، ص ۹۱۲ — ۴۷ ایضاً، ص ۹۱۶

تا کجا بے غیرتِ دیں زیستن
اے مسلمان مردن است ایں زیستن
بر عیارِ مصطفیٰ خود را زند
تا جہانے دیگرے پیدا کند[48]

وہ قوم کو تلقین کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو پہچانے تاکہ جمالِ مصطفیٰؐ سے فیض یاب ہو سکے۔ قوم کے سامنے اس حقیقت کو بار بار رکھتے ہیں کہ شریعت کا منبع آنحضورؐ کی ذاتِ مبارک ہے۔ لہٰذا جب تک صاحبِ شریعت کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا شریعت پر عمل ناممکن ہوگا:

شرع برخیزد ز اعماقِ حیات
روشن از نورش ظلام کائنات
حکمش از عدل است و تسلیم و رضاست
بیخ او اندر ضمیر مصطفیٰ است[49]

حضورؐ ساری کائنات کے عشق کا منبع و مرکز ہیں حتیٰ کہ جبریلؑ کا وجود بھی سرکارِ دو عالم کے وجود پر منحصر ہے:

جز ایں چیزے نمی دانم ز جبریل
کہ او یک جوہر از آئینہ تست[50]

بعض وقت وہ بڑے رجائی انداز میں اُمت کو سنتِ رسول کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں:

کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کر لو
ملتِ احمدِ مرسل کو مقامی کر لو[51]

وہ ماسوا اللہ سے اعراض کا سبق بھی دیتے نظر آتے ہیں:

از پیامِ مصطفیٰ آگاہ شو
فارغ از اربابِ دون اللہ شو[52]

وہ اس نکتہ سے بھی آگاہ کرتے ہیں کہ عشقِ رسول اپنے پروانوں کو خوب سے خوب تر بناتا ہے اور اس سے دل کو توانائی نصیب ہوتی ہے:

عاشقان او ز خوباں خوب تر
خوشتر و زیبا تر و محبوب تر[53]

اے مسلمان اگر تو آج عزت و سیادت کا خواہش مند ہے تو حضورؐ کا دامن تھام لے:

یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است[54]

دگرنہ انسانیت کے نقطۂ نظر سے حقیر اور بے وقعت ہو جائے گا:

---

[48] کلیاتِ اقبال، ص ۸۱۹ [49] ایضاً، ص ۸۲۶، ۸۲۷ [50] ایضاً، ص ۹۳۶
[51] ایضاً، ص ۲۰۱ [52] ایضاً، ص ۱۶۱ [53] ایضاً، ص ۱۹ [54] ایضاً، ص ۱۶

قطرۂ نیسان کہ مہجور از یم است ندر خاشاکے مثال شبنم است[۵۵]

اگر تو آفتاب سے بھی زیادہ تابندہ اور منور ہونا چاہتا ہے تو حضورؐ کا دامن مضبوطی سے تھام لے جو انسان کے اندر مافوق الفطرت قوت وطاقت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے:

در جہاں روشن تر از خورشید شو صاحب تابانیٔ جاوید شو[۵۶]

حضرت علامہ بارگاہِ رسالت میں امت کا مقدمہ پیش کرتے ہیں تو بعض وقت سر ندامت سے جھک جاتا ہے کہ جس قوم کے اعمال و افعال محض فرنگیوں کا چربہ ہیں وہ امتِ رسولؐ ہونے کا دعویٰ کس منہ سے کر سکتی ہے:

چوں بنامِ مصطفیٰؐ خوانم درود از خجالت آب میگردد وجود[۵۷]

جبیں را پیش غیر اللہ سودیم چو گبراں در حضور او سرودیم[۵۸]

وہ دربار رسالتؐ میں اپنی قوم کی شکایت بھی کرتے ہیں کہ اے میرے آقا! میں نے اپنی قوم کو پیغام حق سنایا اور آپؐ کی محبت کا درس دیا لیکن قوم نے میرے اس جانفزا پیغام کی طرف توجہ نہ دی اور طرح طرح کے الزامات تراشے سو اگر میں نے حق بات کہی ہے تو عرض ہے کہ مجھے اس کا صلہ عطا فرمائیں:

گر دُرِ اسرارِ قرآں سفتہ ام با مسلماناں اگر حق گفتہ ام

اے کہ از احسان تو ناکس کس است یک دعایت مزد گفتارم بس است

عرض کن پیشِ خدائے عز و جل عشق من گردد ہم آغوش عمل

دولت جانِ حزیں بخشندۂ بہرۂ از علم دیں بخشندۂ

در عمل پایندہ تر گرداں مرا آب نیسانم گہر گرداں مرا[۵۹]

اور اگر میری دعوت میں تصنع اور ریا ہے تو اپنی قدم بوسی سے محروم کر دیجئے:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است در بحرفم غیر قرآں مضمر است

پردۂ ناموس فکرم چاک کن ایں خیاباں را زخارم پاک کن

روز محشر خوار و رسوا کن مرا بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا[۶۰]

---

۵۵ کلیاتِ اقبال، ص ۱۳۳ ۵۶ ایضاً، ص ۱۳۳ ۵۷ ایضاً، ص ۸۳۳

۵۸ ایضاً، ص ۹۲۱ ۵۹ ایضاً، ص ۱۶۸ ۶۰ ایضاً، ص ۱۶۸

ذات رسالت مآبؐ سے عشق و محبت کے اس جذبہ اور خواہش کے باوجود آغاز میں روضۂ اقدس پر اپنے آپ کو حاضری کے قابل نہیں سمجھتے تھے لیکن وقت کی رفتار کے ساتھ جب اس مردِ قلندر کی نظروں میں آپؐ کا پیکر سما گیا تو حاضری کی خواہش شدت اختیار کرتی گئی جیسا کہ اقبالِ کامل کے مصنف کہتے ہیں "حج کی ادائگی کا خیال آخر عمر میں پیدا ہوا اور دن بدن بڑھتا گیا۔ جب ۱۹۳۲ء میں مؤتمر اسلامی میں شرکت کے لیے دمشق پہنچے تو سفر حج کا سامان مکمل تھا لیکن دل نے گوارا نہ کیا کہ دربارِ حبیبؐ میں ضمناً حاضری دی جائے اس لیے اس وقت شوق پورا نہ ہو سکا[۶۱] جب کسی عزیز یا دوست کے حج پر جانے کی خبر سنتے تو آپ کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی۔ وہ دربارِ رسالتؐ سے دوری کو اپنی کم نصیبی پر محمول کرتے اور روضۂ اقدس کے دیدار کو نگاہوں کی روشنی کا باعث سمجھتے:

حیف او محرومِ دربارِ نبیؐ　　　چشم من روشن ز دیدارِ نبیؐ[۶۲]

اپنے قلبی تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روضۂ اقدس سے یہ دوری مجھے ہر آن بےکل و بےچین کرتی ہے:

جاں ز مہجوری بنالد در بدن　　　نالۂ من وائے من! اے وائے من[۶۳]

وفات سے پہلے جب بیمار ہوئے تو اس وقت بھی آپ کے زبان پر یہ کلمات ہوتے تھے کہ اگر طاقت و قوت والے اللہ نے مجھے صحت عطا فرما دی تو پہلا کام یہی کروں گا کہ حج کو جاؤں گا۔ لیکن علامہ محترم حجاز کا سفر نہ کر سکے۔ ذہنی اور قلبی طور پر وہ اس ذاتِ مبارکؐ سے اس قدر وابستہ رہے کہ چشمِ تصور میں کئی بار اس مقدس سفر کو اختیار کرتے ہیں اور ہر لحظہ ان کا دل اسی مقام سے اٹکا رہتا ہے:

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم　　　زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم[۶۴]

خیالی سفر کے دوران تمام مراحل اور وارداتِ قلبی کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ گویا وہ حقیقتاً اس مبارک سفر میں ہیں۔ انھیں اس سفر کا سوزِ دل کو لبھاتا ہے اور محبوبؐ سے غمِ جدائی میں ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتے ہیں اور ساربان سے مخاطب ہوتے ہیں کہ مجھے دربارِ نبیؐ کسی طویل تر راستہ سے لے چل جو جدائی کے سوز میں اور حدت اور تیزی پیدا کر دے:

بگیر اے ساربان راہِ درازے　　　مرا سوزِ جدائی تیز تر کن[۶۵]

---

۶۱۔ اقبالِ کامل، ص ۷۲
۶۲۔ کلیاتِ اقبال، ص ۱۶۳
۶۳۔ ایضاً، ص ۸۴۸
۶۴۔ ایضاً، ص ۱۶۳
۶۵۔ ایضاً، ص ۹۱۱

شدتِ جذبات سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور ہم سفر سے مخاطب ہوتے ہیں کہ آؤ ، دربارِ رسالت مآب ﷺ میں جاکر دردِ دل بیان کریں اور اس محبوب کے قدموں میں اپنی آنکھیں بچھائیں :

دو حرفے برمرادِ دل بگوییم ——— بپائے خواجہ چشماں را بمالیم[۶۶]

آخر حضرت علامہؒ کی آہ و فغاں رنگ لاتی ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں رسائی ہوتی ہے :

دریں وادی زمانی جاودانی ——— زخاکش بے صور روید معانی
حکیماں باکلیماں دوش بردوش ——— کہ ایں جاکس نگوید لن ترانی[۶۷]

"رموزِ بیخودی" میں دل کی دیرینہ تمنا اور آرزو کو بیان کرتے ہیں کہ اے احمد مصطفیٰ حبیب مجتبیٰ مدت سے ایک آرزو میرے سینہ میں پرورش پا رہی ہے لیکن آج تک میں اس کے اظہار کی جرأت نہ کرسکا لیکن آپ کی شفقت و رحمت نے آج مجھے یہ حوصلہ عطا کیا ہے کہ اس کو زبان پر لاؤں :

ایں تمنا در دلم خوابیدہ ماند ——— در صدف مثل گہر پوشیدہ ماند
شرم از اظہارِ او آید مرا ——— شفقتِ تو جرأت افزاید مرا[۶۸]

اور وہ آرزو یہ ہے کہ مجھے اپنے محبوب کے قدموں میں موت آئے مجھے اپنے پاس بلانے کا سامان کیجیے۔ میں اس کے علاوہ کسی اور چیز کی خواہش نہیں رکھتا :

ہست شان رحمتت گیتی نواز ——— آرزو دارم کہ میرم در حجاز[۶۹]

ایک اور جگہ اپنی اس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی ——— میں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ حجاز میں[۷۰]

حضرت علامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے ہیں کہ مجھے ایسا خوش نصیب بنا دیجیے کہ میری قبر آپ ﷺ کی دیوار کے سائے میں بنے تاکہ میرے دلِ بے قرار کو سکون و قرار حاصل ہو اور دنیا والوں سے یہ کہہ سکوں :

با فلک گویم کہ آرامم نگر ——— دیدۂ آغازم انجامم نگر[۷۱]

اگرچہ اس مردِ مجاہد کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی لیکن یہ حضور ﷺ کی نگاہ کرم ہی کا صدقہ ہے کہ مرحوم کو ایک مسجد کی دیوار کے سایہ میں جگہ ملی۔ لوگ آج بھی روحانی فیض کے حصول کے لیے ان کی قبر کا رخ کرتے اور نہال ہو کر لوٹتے ہیں۔

---

۶۶۔ کلیاتِ اقبال، ص ۹۱۱ ——— ۶۷۔ ایضاً، ص ۹۱۲ ——— ۶۸۔ ایضاً، ص ۱۶۹، ۱۷۰
۶۹۔ ایضاً، ص ۱۷۰ ——— ۷۰۔ ایضاً، ص ۱۹۸ ——— ۷۱۔ ایضاً، ص ۱۷۰